عطیہ سید: اردو افسانے کی ایک توانا آواز

مجاہد حسین
لیکچرار اردو
گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج شالیمار ٹاؤن، لاہور

ATIA SYED:A VIBRANT VOICE OF URDU FICTION

Mujahid Husain
Lecturer in Urdu
Govt. Degree College for Boys, Shalimar Town, Lahore

Abstract

The narration of human woes and worries is commonly found in Atiya Syed`s short stories. Western lifestyle is her main forte. This is why most of the characters in her stories are English or American by nature. Her stories cover multifaceted literary aspects. Symbolism and descriptivism are central elements of her stories. Her stories collection Shehar e Hol, Hiqayat e Janoon have been very famous in literary circles. The article presents a critical analysis of Atia's stories.

Keywords:

عطیہ سید، خالدہ حسین، اردو، افسانے، شہرِ ہول، حکایتِ جنون

ادیب ایک حساس انسان ہوتا ہے جولوگوں کے دُکھ درد کو سمجھتا اور محسوس کرتا ہے ۔وہ زمانے کا نبض شناس بھی ہوتا ہے،لوگوں کا دُکھ اس کا دُکھ اورلوگوں کی پریشانیاں اس کی اپنی ہوتی ہیں ۔عطیہ سید کی مثال بھی کچھ ایسی ہی ہے ۔لوگوں کے دُکھ درد اور مسائل کا نہ صرف ادراک رکھتی ہیں بلکہ انھیں بیان کرنے کا سلیقہ بھی ان میں موجود ہے ۔شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں کا اثر گہرا اور ان میں درد زیادہ ہے ۔عطیہ سید کی کہانیوں سے تنہائی کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس آج کی دنیا کا سامنے کا احوال ہے اور غالبًا اسی سبب سے عطیہ سید کے ہاں زندگی کی بے ثباتی کا تصور بڑے تسلسل کے ساتھ افسانوں میں ابھرتا ہے ۔یہی نہیں بلکہ اداسی ،خود پسندی، المیاتی احساسات اور دکھ کی ابدیت جیسے عناصر عطیہ کے ہاں موجود ہیں ۔اُن کے اسلوب کے بارے میں خالدہ حسین لکھتی ہیں:

> ''عطیہ سید جدید اردو افسانے کی ایک توانا آواز ہے ۔ایسا بہت کم ہوتا ہے لکھاری تحریر اور شخصیت دونوں کلام کرتی ہوں اور جب کبھی ایسا ہوگزرتا ہے تو وہ معاصر ادب کے لیے نوید اور ادیبوں کے لیے خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے ۔عطیہ سید صرف لکھتی ہی نہیں ادب بسر بھی کرتی ہے ۔وہ اپنے ساتھ اردو فکشن میں ایک ایسا فکری آہنگ لے کر داخل ہوئی ہے جس میں کلاسیکی جاہ وجلال اور اختراعی تازگی بیک وقت موجود ہیں ۔ان کی کہانیوں کے پہلے مجموعے شہر ہول نے یقینًا ایک آسیبی دروازہ کھول دیا تھا اور اردو ادب کے قاری کو نام نہاد ترقی یافتہ مغربی زندگی کی وہ خوفناک اور المناک جھلک دکھائی دی تھی جو اکثریت کے لیے ایک انکشاف تھا۔''(۱)

عطیہ سید افسانے کی ضرورت کے مطابق کردار لاتی ہیں ۔ان کے افسانوں میں کردار کہیں کم اور کہیں زیادہ نظر آتے ہیں ۔وہ کردار کو بہت خوبی سے نبھاتی ہیں ۔مرکزی کرداروں کے ساتھ ساتھ وہ ضمنی کردار بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کرتی ہیں ۔ان کے افسانوں میں پہلے مرکزی کردار آتے ہیں اور بعد میں ثانوی، وہ اپنے کرداروں کا تفصیلی خاکہ بیان کرتے ہوئے قاری کو کسی قسم کی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیتیں ۔ان کے کرداروں کی ایک خاص ساخت ہے ۔اس کی بہترین مثال ان کا افسانہ''چھ بجے کی خبر'' ہے۔جس میں سسٹر ٹریزا جو ایک چرچ میں کام کرتی ہے سڑک پر چل رہی ہے تو تین لفنگوں کے گروہ کو دیکھتی ہے ۔ان تینوں کرداروں کا تعارف اس خوبی سے بیان کرتی ہیں کہ افسانے کا تسلسل بھی قائم رہتا ہے ۔ملاحظہ ہو:

''سسٹر ٹریزا دیکھتی ہے کہ سڑک کے کنارے جس فٹ پاتھ پر وہ چل رہی ہے اس پر چند گز کے فاصلے پر جواں سال لفنگوں کا ایک گروہ موجود ہے ۔جن میں سے چند فٹ پاتھ پر دھرنا مار کر بیٹھے ہیں،اور چند ایک سپاٹ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹانگ کے سہارے کھڑے ہیں۔۔۔۔قریب آنے پر سسٹر ٹریزا نے ان

میں سے تینوں کو پہچان لیا ہے ایک تو ریڈ انڈین فرسٹ مون ہے ۔دوسرا حبشی نام مسلر اور تیسرا ، اسلوڈو کا مہاجر کارلوس۔"(۲)

عطیہ سید اپنے کرداروں کو بہت خوبصورتی سے چنتی ہیں ۔وہ کہانی کا پلاٹ بڑے بہتر انداز میں پیش کرنے کا ہنر جانتی ہیں ۔ان کے ہاں کردار اور کہانی کا ربط ہمیشہ برقرار رہتا ہے ۔ان کی کردار نگاری کے متعلق افتخار جالب کا کہنا ہے:

> "کہانی بتانے کی تکنیک دوستوفسکی نے وسیع پیمانے پر اپنے ناولوں میں استعمال کی ہے ۔
> عطیہ سید نے اپنی ہنرمندی سے اس تکنیک کا منی ایچر اپنے کئی افسانوں کے دروبست میں سمیٹا ہے ۔"(۳)

عطیہ سید کے بعض افسانوں میں صرف چند کردار ملتے ہیں اور پوری کہانی انھیں کرداروں کے گرد گھومتی ہے ۔جیسے ان کا ایک افسانہ "چھپکلی" ہے جس میں صرف دو کردار ہیں ایک لڑکی کا اور دوسرا حلوائی کے بیٹے کا کردار یہی مرکزی اور یہی ذیلی کردار ہیں ،ان کے درمیان ہلکا پھلکا کردار بھی نمودار ہوتا نظر آتا ہے ۔ان کے اُسلوب پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے افسانوں میں کردار کم ہوتے ہیں نیز وہ چند کرداروں کے ذریعے اپنی پوری کہانی بیان کرتی جاتی ہیں ۔مگر ان کے افسانوں میں اکتاہٹ نہیں ہوتی اور قاری انھیں پڑھتے ہوئے کبھی وقت محسوس نہیں کرتا ۔

عطیہ سید اپنے افسانوں میں کچھ کرداروں کو نام ہی نہیں دیتیں بلکہ انھیں جنس کے حوالے سے یاد کرتی ہیں جیسے لڑکی ،لڑکا وغیرہ ۔ان کے ہاں مرکزی کردار انسان نہیں بلکہ انسانی پیداوار ہے ان کا افسانہ "چھپکلی" اس کی بہترین مثال ہے ۔عطیہ سید کے کرداروں میں مرد و عورت دونوں طرح کے کردار آتے ہیں ۔یہ کردار عورت کے حوالے سے بھی ہیں اور مردوں کے حوالے سے بھی ،لیکن ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے افسانوں میں عورت ہی کہانی کی بنت میں اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ان کے تقریباً سب افسانے عورت اور اس کے مسائل کے گرد گھومتے ہیں ،ان کے افسانوں میں زیادہ تر مرکزی کردار بھی عورتوں ہی کے ہیں ۔

عطیہ کے افسانوں میں غربت اور افلاس کا بیان عام دیکھا گیا ہے ۔ان کے کچھ کردار غربت میں دھنسے ہوئے ہیں اور بہت سے زندگی کی دوسری مجبوریوں کے سبب معاشرے میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں ۔زندگی کی محرومیاں اور مسائل عطیہ کے افسانوں کے موضوع ہیں ۔شہر ہول اور وحشت کے افسانوں میں کوئی نہ کوئی کردار معاشرے میں پیدا ہونے والی کشمکش میں ضرور مبتلا نظر آتا ہے ۔عام انسان کی بے بسی ان کے افسانوں کا اہم موضوع قرار دیا جاسکتا ہے ۔

عطیہ کے افسانوں کی ایک خوبی جزئیات نگاری ہے۔انھوں نے جزئیات کو براہِ راست زندگی کے مشاہدے اور تجربے سے حاصل کیا ہے اور اپنے افسانوں میں بہت خوبصورتی سے پرو دیا ہے۔ان کے افسانوں کے کرداروں کی جزئیات میں حقیقی انداز پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے کہانی کا ہر جز زیادہ زندہ ہوتا نظر آتا ہے۔ عطیہ سید نے اپنے کرداروں کی وضع قطع اور جزئیات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ کرداروں کو زندہ کر دیا ہے۔ ''رقص'' میں ان کے اسلوب کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''آسیہ نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا،ایک پل کو حیرت نے اسے جکڑ لیا،اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے اور ہونٹوں پر آئے ہوئے خوش آمدید کے کلمات تھم گئے۔آسیہ کے ذہن میں الجزائری قومیت سے گندمی رنگ،سیاہ بال اور آنکھیں منسوب تھیں،مگر دروازے کے باہر کھڑی لڑکی دودھیا رنگت،سبز آنکھیں اور سنہری بالوں والی تھی اسے بھی آسیہ کو دیکھ کر اتنی ہی حیرت ہوئی۔وہ شاید پاکستان کو برصغیر کا حصہ سمجھ کر کسی سانولی،بھورے رنگ کی کالی آنکھیں اور جادو کر دینے والی سیاہ زلفوں کی توقع کر رہی تھی،لیکن آسیہ کی جلد صاف اور سرخ و سفید،آنکھیں اور بال ہلکے بھورے رنگ کے تھے۔''(۴)

عطیہ جب کسی فطرتی یا قدرتی منظر کو بیان کرتی ہیں تو نہایت خوبصورتی سے وہ اس منظر کے ایک ایک جز کو بیان کرتی ہیں مثلاً اپنے افسانے ''جلوہ'' میں وہ منظر کشی کچھ اس انداز سے کرتی ہیں:

''چیڑ کے جنگل میں مست ہوا چل رہی تھی۔سارا جنگل وجد میں تھا۔مسلسل بارشوں سے زمین نم ہو کر نسواری ہو چکی تھی۔درختوں کے تنوں کی چھال نکھری ہوئی تھی۔فضا میں چیڑ کی خوشبو اور زمین پر اس کے پتوں کی سوئیاں بکھری ہوئی تھیں۔''(۵)

انھوں نے کہیں کہیں بہت زیادہ تفصیلات سے بچنے کے لیے اپنے افسانوں میں استعارے اور علامتیں استعمال کی ہیں۔ان کے ہاں رنگ استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے جیسے نیلا رنگ جو موت کا استعارہ ہے۔شہر ہول بھی ایک استعارہ ہے یہ امریکی زندگی کا استعارہ ہے اور کئی چھوٹے چھوٹے،آپس میں گندھے ہوئے واقعات سے استعارے کی تہیں ابھاری گئی ہیں جو ان کی تحریر میں جان پیدا کر دیتی ہیں۔ان کا یہ انداز انفرادیت کا حامل ہے۔نیلا رنگ ان کی تحریر کی پہچان بنتا نظر آتا ہے۔اُن کی ایک کہانی ''آنسو کا نمک'' کا ابتدائیہ بھی نیلے رنگ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔

''کارنا رکول کی نیلی ہموار دھوپ کی تمازت سے جگمگاتی سڑک پر بھاگتی چلی جا رہی تھی۔شہر ہول میں مسز فان کریمر جو گتے کے ڈبے کے اندر بوڑھی سکڑی ممی بنی ہوئی تھی جو منوں برف کی تہ میں دب کر منجمد ہو چکی تھی اس کا رنگ زہریلا نیلا اور آنکھیں کھلی ہوئی تھی۔''(۶)

عطیہ سید کے افسانوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ایک بات ضرور سامنے آتی ہے کہ ان کے افسانوں کا مرکزی نقطہ کرب ،دکھ،اذیت ، بے حسی ،محرومی اور لاتعلقی ہے ۔انھوں نے انسانی بے حسی ،تنہائی کے کرب کو جس انداز سے بیان کیا وہ انھی کا خاصا ہے ۔ان کے بہت سے افسانوں میں بے حسی ،تنہائی کا کرب ،اذیت اور انسانی دُکھ نظر آتا ہے ۔اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے افسانے حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ۔ زیادہ تر افسانوں میں نظر آنے والے واقعات حقیقی زندگی سے ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان سب واقعات کا تعلق ہمارے گردونواح سے ہے ۔

انھوں نے مختلف مما لک اور معاشروں کی کہانیاں لکھی ہیں ۔ایسا تجربہ اردو میں باقاعدہ طور پر پہلی بار ہوا ہے گو اس سے قبل اردو سفرنامے میں یہ روایت موجود تھی مگر عطیہ نے اردو افسانے میں یہ پہلا تجربہ کیا ہے ۔ان کی کہانیوں میں اپنی زندگی کے تجربات بیان ہوتے ہیں ۔ان کے اس تجربے نے کہانیوں کے موضوعات میں وسعت پیدا کی ہے اور یکسانیت کا نہیں بلکہ تنوع اور سکون کا احساس ابھرتا ہے اور بلکہ انھوں نے انسانی دکھ اور پریشانیوں کو بڑی مہارت اور خوبصورتی سے بیان کرنے کی روش ڈالی ہے ۔

عطیہ اپنے افسانوں میں زندگی کو المیہ بنا کر بھی پیش کرتی ہیں ۔ان کے افسانوں میں زندگی ایک المیہ ہے ۔ یہ معاشی ، معاشرتی اور نفسیاتی سطح کا المیہ ہے اس میں انسانی زندگی میں ہونے والے خوفناک واقعات کا ذکر ہے ۔شہر ہول میں اس قسم کے المیہ کا ذکر ملتا ہے ۔اس میں ڈی ڈی کولٹ جو بہت امیر شخص ہے ، لیکن اس کی زندگی کا المیہ یہ ہے کہ وہ پانچ شادیاں ہونے کے باوجود تنہا زندگی گزارتا ہے ۔اس کے دو بچے ہیں مگر وہ بھی اس کو اپنی آزادی میں حائل سمجھتے ہیں وہ اسی طرح اپنی زندگی کو بند کمرے میں گزار دیتا ہے اور آخر ایک روز مر جاتا ہے ۔مرتے وقت اس پر کیا گزری یہ کوئی نہیں جانتا ،یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے ۔

اسی طرح شہر ہول کا دوسرا بڑا المیہ مسز فان کریمر کا تھا جو ایک بہت غریب عورت تھی اتنی غریب کہ اس کے پاس رہنے کے لیے گھر تک نہیں تھا ۔وہ ایک سپر مارکیٹ کے پاس موجود خالی پلاٹ جہاں ردی پڑی ہوتی تھی ،ایک گتے کے ڈبے میں رہتی تھی جس کی دیواریں اتنی کمزور تھیں کہ وہ موسم کے تھپیڑوں سے نہ بچ سکی اور مر گئی ۔عطیہ کے ہر افسانے میں کوئی نہ کوئی المیہ ضرور ملتا ہے جسے انھوں نے نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے ۔

عطیہ کے افسانوں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایک کردار ساری کہانی کو بیان کرتا نظر آتا ہے جو اس کہانی کا مرکزی کردار ہوتا ہے ۔اس کے ثانوی کردار اس خوبصورتی سے آتے ہیں کہ افسانوں کا حسن برقرار رہتا ہے ۔ان کے افسانوں کا اندازِ بیان فلسفیانہ اور شاعرانہ ہے ۔وہ عقلی اندازِ فکر کی حامل ہیں اور مشاہدات کو عقلی انداز سے سوچ کر فلسفیانہ رائے قائم کرتی ہیں ۔کبھی کبھی ان کی تحریر جذبات کے قریب پہنچ جاتی ہے ۔ایسی صورت میں وہ رومانوی انداز اختیار کر جاتی ہیں ۔

افتخار جالب کے بقول:

''عطیہ سید کا زاویہ نگاہ شاعرانہ بھی ہے اور فلسفیانہ بھی۔فلسفی چیزوں کو عقلی انداز میں سوچتا اور منطقی رائے قائم کرتا ہے۔جبکہ شاعر چیزوں کو جذباتی لگاؤ سے دیکھتا اور رومانوی انداز میں پیش کرتا ہے۔عطیہ سید کی کہانیوں میں آدھا فلسفی اور آدھا شاعر چھپا ہوا دکھائی دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں حقیقت اور رومان کے ساتھ ساتھ جذبہ و فکر کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔''(۷)

''چھپکلی'' کا موضوع محبت ہے۔جب تک انسان کے دل میں محبت ہوتی ہے وہ ہر چیز سے پیار کرتا ہے مگر جب اسے نفرت ہو تو وہ ہر چیز کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔عطیہ کا انداز بہت ہی خوبصورت ہے اور وہ ان رویوں کو بہت خوبصورتی سے اور فلسفیانہ انداز میں بیان کرتی ہیں۔وہ محبت اور نفرت دونوں قسم کے رویے اور جذبات بڑے احسن انداز میں پیش کرتی ہیں۔اسی طرح ''اڑتا پرندہ اور سنہری مچھلی'' میں انسانی جذبات کو انھوں نے بہت خوبصورتی سے نبھایا ہے کہ اُڑتا ہوا پرندہ آزاد اور اپنی مرضی سے جیتا ہے مگر رشتوں کی ڈوریوں میں قید ایک انسان اُس سنہری مچھلی کی مانند ہے جو رشتوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے۔

عطیہ سید کے بعض افسانوں کا انداز بیانیہ ہے جیسے ''شہر ہول'' اور ''مٹھی میں بند لمحہ'' وغیرہ۔وہ کرداروں کو بڑی سلاست اور روانی سے پیش کرتی ہیں۔انھوں نے کمال مہارت سے انسانی رویوں کو پیش کیا ہے،خصوصاً امریکی زندگی جہاں انسان بے حسی، بے بسی ،مجبوری،تنہائی،اور کرب کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں یا جہاں کوئی کسی کے دُکھ میں شریک ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔انسان کے اس رویے کی بہترین مثال اُن کا افسانہ ''کرسمس کی شب'' ہے جس میں عطیہ نے انسانی بے حسی کو بیان کیا ہے۔اس افسانے کا ایک کردار روزانا ہے جو ایک مہاجر ہے۔یہ لاطینی امریکہ سے غیر قانونی طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں داخل ہوئی ہے اور اس کے مختلف شہروں میں آباد ہوتی ہے۔روزانا اور اس کا ساتھی ایک پراسرار عمارت میں داخل ہوتے ہیں۔ایک صبح اچانک ایک چیخ سنائی دیتی ہے جو روزانا کی ہے۔اس کی عصمت ریزی ہو رہی ہے اور وہ ظالم گنڈوں کے ہاتھوں مجبور ہے۔وہ مدد کو پکارتی ہے مگر کوئی اس کی آواز سننے والا نہیں ہے۔عطیہ اس منظر کو کچھ اس انداز میں بیان کرتی ہیں:

''اچانک سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک چیخ سنائی دیتی ہے جو میرے دل کی طرح اپارٹمنٹ کے درودیوار کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ان کے حلیے عجیب وغریب ہیں آنکھوں سے وحشت برستی ہے چہروں پر ایک مظلوم شیطنیت ہے اور ہنسی میں ایک دیوانگی ہے ان میں سے اکثر کے کپڑے بوسیدہ اور غلیظ ہیں۔۔۔ وہ کسی

تماشے سے ظلمانہ لطف اٹھا رہے ہیں وہ چیز جوان کے درمیان پڑی ہے اور جس کے تماشے سے وہ گھٹیا لذت محسوس کر رہے ہیں، روزانا ہے جو نیم برہنگی کی بےبسی کے ساتھ ساتھ مظلومیت کے غیظ وغضب کی تصویر نظر آتی ہے۔۔۔"(۸)

اس سارے منظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس قدر بےحسی کا شکار ہو چکا ہے اور اس پر کسی قسم کی فریاد، آہ و بکا کا اثر نہیں ہوتا۔ عطیہ نے اسی طرح کی بےحسی کا اظہار اپنے افسانوں میں کیا ہے جس کی مثالیں "شہر ہول" اور "کرسمس کی شب" ہیں۔ جس دنیا میں انسان رہتا ہے وہاں اتنی بھیڑ ہونے کے باوجود وہ اکیلا، بےبسی اور بےحسی کا شکار ہے کسی کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، یہ سب عطیہ نے کمال خوبی سے بیان کیا ہے۔

افسانہ "رقص" میں انسانی رویے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار آسیہ اور مصطفائی روم میٹ ہیں۔ آسیہ مروت، تحمل، برداشت، رواداری اور صبر کی تصویر ہے جبکہ مصطفائی بے مروت، غیر شائستہ، بدتمیز اور یورپی طرز حیات کی دلدادہ ہے۔ دونوں بہت مختلف ہیں۔

عطیہ کے بعض افسانے واحد متکلم میں لکھے گئے ہیں جن میں "دختر شب" اور "تحیر عشق" شامل ہیں۔ "تحیر عشق" ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جس میں راوی کی ایک ہم جماعت لڑکی فربہ اندام امریکن ہے جو ایک ایسے لڑکے کو پسند کرنے لگتی ہے جس میں نسوانیت پائی جاتی ہے۔ وہ مرد اور عورت کے درمیان کی چیز ہے۔ راوی اپنے ایک ہم جماعت لڑکے پر فریفتہ ہو جاتی ہے مگر اچانک جب وہ اسے ایک لڑکے کے ساتھ دیکھتی ہے جو اس کے لبوں کو بوسہ دیتا ہے اور اس کی کمر پر بازو ڈال کر چلتا ہے تو وہ لڑکی (کہانی کی راوی) افسردہ ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں ساری کہانی واحد متکلم صیغہ میں بیان کی گئی ہے۔ یہ کہانی بہت مختصر مگر دلچسپ ہے امریکن سوسائٹی میں اس طرح کی چیزوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ یہ افسانہ بھی یورپی تہذیب کا عکاس ٹھہرتا ہے۔

عطیہ سید کے افسانوں کے موضوعات میں بہت تنوع ہے۔ شہر ہول جیسے افسانے پر ایک ناول بنایا جا سکتا ہے۔ اس افسانے کے موضوع کو عطیہ سید نے حقیقی زندگی سے اخذ کیا ہے۔ افسانے میں زندگی کے تلخ حقائق کو نہایت خوبصورتی سے موضوع بنایا گیا ہے کہ اس کے کرداروں سے ایک طرح کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

"حکایتِ خونچکاں" کا موضوع انسانی المیہ ہے۔ اس افسانے میں پاکستان کے ایک ایسے شہری کی کہانی بیان کی ہے جو سو بچوں کو قتل کر دیتا ہے اور کسی کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی۔ وہ خود کو جب پولیس کے حوالے کرتا ہے تو یہ راز عوام پر کھلتا ہے کہ اس نے کتنے معصوم بچوں کو اپنے جنون کی بھینٹ چڑھایا۔ عطیہ نے

اس حقیقت کو اپنے فلسفیانہ زاویہ نگاہ سے بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے اوراس تلخ حقیقت کو انھوں نے اپنے افسانے کا موضوع بنایا ہے اوراس کے پیچھے ہونے والے نفسیاتی محرکات کو اپنے نقطۂ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان کے افسانوں میں کہیں کہیں داستانوی انداز کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔"جلوہ"ان کا ایک طویل افسانہ ہے مگر یہ ایک طویل داستان معلوم ہوتا ہے۔اس کی کہانی کا پس منظر اٹلی کا ہے اور موضوع کیتھولک چرچ کے پوپ کے حکم نامے کا ہے، ہمارے معاشرے سے جس کا کوئی تعلق نہیں۔ان کہانیوں کا پیغام امن ہے۔ اس افسانوی مجموعے کی ساری کہانیاں داستانوی ہیں جس کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عطیہ کے افسانوں میں جہاں انسانی رویوں کی اچھی خاصی جھلک نظر آتی ہے وہاں ان کے افسانوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے افسانوں کے مقامات زیادہ تر روحانی ہیں یا رومانوی۔مثلاً ان کے کچھ افسانوں میں گرجا گھروں کی پر اسراریت ، مریم کے مجسموں ، نیم تاریکیوں ،موم بتی کی مدھم روشنیوں کے انداز ملتے ہیں اور بعض میں مغربی ثقافت کے نقوش ابھرتے ہیں مثلاً کلب، ریستوران ،جنس کا کاروبار اوراسی طرح کے بے شمار رویے ان کے افسانوں میں نظر آتے ہیں۔بقول خالدہ حسین:

> "عطیہ میں بیک وقت بہت سے متضاد عناصر ایک مرکب کی صورت اختیار کر گئے ہیں یعنی یہ کہ دنیا جہاں کا فکر و فلسفہ گھول کر پی چکنے پر بھی اس کے مزاج میں ایک مخصوص بشاشت اور خوش دلی ہے۔وہ مثال پسند ہونے کے باوجود انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو قبول کرنے کا ظرف رکھتی ہے۔انسانی المیہ پر استوار اس کائنات کے بارے میں اس کا نظریہ مثبت اور رجائی ہے۔"(۹)

عطیہ نے افسانوں میں فلیش بیک تکنیک کو نہایت خوبصورتی سے برتا ہے جس کی بہترین مثال ان کا افسانہ "مٹھی میں بند لمحہ" ہے۔اس کہانی میں مستقبل اور ماضی کی کڑیوں کو نہایت خوبصورتی سے پرویا گیا ہے جو افسانے کی خاص بات ہے۔کہیں بوریت کا اظہار نہیں ہوتا کہانی مستقبل میں ایک تصویر سے شروع ہوتی ہے اور پھر ماضی کی کڑیاں چلتی چلی جاتی ہیں۔

مکالمہ نگاری ایک فن ہے اور مکالمے کا بنیادی عنصر کردار ہیں۔ہر کردار اپنے معاشرے، طبقے،اور حیثیت سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور اپنے سماج کا نمائندہ ہوتا ہے۔عطیہ سید کے افسانوں میں مکالمے کرداروں کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ان کے ہاں مکالمے سیدھے، صاف اور سادہ ہیں ان کے مکالموں میں ہر کردار کی اپنی زبان ہے۔کردار جس معاشرے میں پلا اور جس طرح کے لوگوں کے ساتھ اس کا میل جول ہے یہ سب اس کے مکالموں سے عیاں ہو جاتا ہے۔اس ضمن میں ذیل کا اقتباس دیکھیے:

''تمھیں معلوم ہے؟''بشارت نے کہا۔

''کیا؟''اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہی کہ یہ سارے زیور نقلی ہیں۔''

''نقلی ہیں کیا مطلب؟ کیا دنیا کے امیر ترین لوگ جو اس ہوٹل میں ٹھہرے ہیں نقلی زیورات پہنے ہیں؟''(۱۰)

مکالمہ نگاری کا یہ جوہر حکایاتِ جنوں میں اور پختہ ہو گیا ہے،اس مجموعے کے بیشتر افسانوں میں عطیہ کے کردار مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔افسانے مٹھی میں بند لمحہ سے یہ مکالمہ دیکھیے:

''میں عنبر ہوں۔''عنبر نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔

''عنبر!تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''مجھے بھی۔''عنبر نے رسمی طور پر جواب میں کہا۔

''تو تم ہندوستانی ہو۔''

''نہیں۔میں تو افریقی ہوں۔''(۱۱)

عطیہ سید نے اپنے افسانوں میں امریکی تہذیب و معاشرت کو بیان کیا اور وہاں کی طرزِ معاشرت کو موضوع بنایا ہے۔امریکہ کے لوگ کیسی زندگی بسر کرتے ہیں اور وہاں کے حالات اور طرز بود وباش کیسا ہے۔انھوں نے امریکی تہذیب کی محرومیوں کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔ان کے افسانوں کا موضوع زیادہ تر امریکی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ انھوں نے امریکی معاشرے کے سماجی اور معاشرتی حالات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ان کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے مغربی زندگی سے آگاہی پیدا ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس معاشرے کے لوگوں سے ہمدردی کا عنصر بھی پیدا ہوتا ہے۔شاید اسی لیے ان کے مختلف افسانوں میں بیرونِ ملک زندگی کی تنہائی اور بے بسی کا ذکر ملتا ہے۔الغرض اردو افسانے میں عطیہ کی آواز اچھوتی اور نرالی ہے۔ان کا اُسلوب اردو فکشن کے افق کو وسیع کرے گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) خالدہ حسین، متکلم افسانے، مشمولہ ماہنامہ الحمرا، لاہور: اگست ۲۰۱۴ء، ص ۴۲

(۲) عطیہ سید، شہر ہول، لاہور: گورا پبلشر، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۵

(۳) ایضاً، ص ۲۲

(۴) عطیہ سید، حکایت جنوں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰

(۵) ایضاً، ص ۴۱

(۶) عطیہ سید، شہر ہول، ص ۱۴۰

(۷) افتخار جالب، عطیہ سید کے افسانے، ماہنامہ سپوتنک، شمارہ نمبر ۵، لاہور: ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۱

(۸) عطیہ سید، شہر ہول، ص ۴۲

(۹) خالدہ حسین، محولہ بالا، ص ۴۳

(۱۰) عطیہ سید، شہر ہول، ص ۱۷۹

(۱۱) عطیہ سید، حکایت جنوں، ص ۱۵۲

✿✿✿